(۴) معتقل هاکستیب (ہاکستیب کیمپ جیل)۔ مولف: محمد علی الطاہر۔ تقطیع متوسط ۶۸۰ صفحے۔ طباعت اچھی، کاغذ معمولی۔ مطبوعہ قاہرہ ۱۳۶۹ھ ۱۹۵۰ء۔

دسمبر ۴۸ء سے تقریباً ۴۹ء کے اواخر تک، مصر پر جور و تشدد کا ایسا دور گزرا ہے، جس کی مثال مشکل ہی سے کہیں اور ملے گی۔ پرانے وفدیوں یا وفد کے باغیوں کی ایک شاخ عرصہ سے "السعدیون" (سعد زغلول کی نسبت سے) کے نام سے قائم ہے۔ ان دنوں یہی پارٹی برسر اقتدار تھی، اور اس کے لیڈر محمود فہمی نقراشی وزیر اعظم تھے۔ انگریزوں کے اشارے بلکہ دباؤ سے نقراشی نے اخوان کو خلاف قانون قرار دے دیا[۱] (۸ دسمبر ۴۸ء)۔ یہ نقراشی کی شرمناک غلطی تھی۔ اللہ کا کرنا یہ کہ کچھ ہی دنوں بعد ایک سرپھرے نوجوان نے ان کا کام تمام کر دیا جس کا اخوان سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ نقراشی کے بعد ابراہیم عبدالہادی "سعدیون" کی قیادت اور وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز ہوئے۔ نقراشی کی طرح یہ بھی برسوں وفد کے رکن رہ چکے ہیں، مگر نقراشی کی صلاحیتیں ان میں نہیں (ص ۴۳)۔ ان کا دور حکومت، مصر کی تاریخ کا تاریک ترین دور ہے۔ اس عہد کا سب سے افسوسناک واقعہ مرحوم حسن البنا کی شہادت ہے، جس میں پولیس کے افسروں نے کھل کر حصہ لیا[۲] (۱۲ فروری ۴۹ء)۔ اس کے بعد مصر میں وہ سب کچھ ہوا، جس پر دنیا کی وحشی ترین قومیں بھی شاید لعنت بھیجنے پر مجبور ہوں۔

زیر نظر کتاب میں اسی دور ظلمت و وحشت کا کچا چٹھا بیان کیا گیا ہے۔ یہ ابراہیم عبدالہادی اور اس کے اعوان و انصار کی انتہائی بدنصیبی تھی کہ انہوں نے محمد علی الطاہر جیسے بے دھڑک آدمی کے قید کرنے کی حماقت کا ارتکاب کیا۔ الطاہر رہے تو جیل میں صرف اٹھارہ انیس روز (۲۴ جولائی ۴۹ء - ۱۲ اگست ۴۹ء) مگر اتنی سی مدت میں انہوں نے اور ان کے دوستوں نے ایک دنیا سر پر اٹھالی۔ اور رہائی کے بعد اس دور وحشت

---

[۱] مصنف نے خود ابراہیم عبدالہادی کے دست راست عبدالرحمٰن عمار کی زبانی نقل کیا ہے کہ امریکا، انگلستان اور فرانس کے سفیروں نے متفقہ طور پر اخوان کو خلاف قانون قرار دینے کا مطالبہ کیا تھا۔ (ص ۴۳)

[۲] مصنف نے یہ الزام اور کھل کر عائد کیا ہے (ص ۴۴، ص ۱۰۳)

کی رسوائی کے لیے جسے ہمارے دوست صالح عشاوی "عہد بلا محمہ" کے نام سے یاد کرتے ہیں تقریباً آٹھ سو صفحوں کا یہ اعمال نامہ چھاپ کر شائع کر دیا، جو شاید انھیں نہ کرنا چاہیے تھا۔

محمد علی الطاہر کا اخوان سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ مغربی استعمار کے سخت دشمن ہیں، بلکہ وہ اپنے کو العدو الاول للاستعمار فی المشرق العربی (مشرقی عربستان میں امپریلزم کا دشمن نمبر ایک) کہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ اور ان کی اب تک کی زندگی اسی جدوجہد میں بسر ہوئی ہے۔ مصری پولیس کے بعض بڑے افسر، جو پرانے انگریز افسروں کی تربیت میں رہے ہیں، انہیں پسند نہیں کرتے۔ اور یہی ناپسندیدگی نظربندی کا باعث ہوئی۔ اتفاق سے انہیں ہاکسٹیپ کیمپ جیل بھیج دیا گیا، جہاں اخوان کے کارکن بڑی تعداد میں محبوس تھے۔ اس کیمپ کی تاریخ یہ ہے کہ لڑائی کے دنوں میں، امریکا نے مصر کے جنگی علاقوں میں کچھ بارک بنائے تھے، جو بعد میں ھاک سٹیپ نامی ایک امریکی افسر کے نام سے مشہور ہوئے۔ جنگ کے بعد مصری حکومت نے انہیں سستے داموں خرید لیا تھا اور ان کا ساز و سامان بیچ کر نفع بھی کمایا تھا (صفحہ ۲) جب اخوان پر مظالم کا سلسلہ شروع ہوا تو انہی شکستہ حال بارکوں کو کیمپ جیل بنا دیا گیا اور گرفتاران بلا تکلیف و مصیبت سہنے کے لیے اس میں چھوڑ دیے گئے۔ اس کتاب کے مولف جب وہاں پہنچے تو اخوانی نوجوانوں نے ان کا گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا اور یہ ان کے اخلاق و صبر و تحمل سے بہت متاثر ہوئے۔

بسم اللہ یا کسی تمہید و مقدمہ کے بغیر، کتاب کا آغاز یک لخت مولف کی گرفتاری کی خبر سے ہوتا ہے، جس کے نیچے الاہرام، ۲۴ جولائی ۱۹۴۹ء کا حوالہ درج ہے۔ یہ خبر بھی اسی مناسبت سے القصة من اولها الی آخرها (کہانی شروع سے آخر تک) جاتی ہے۔ اس کے بعد پھر سلسلۂ بیان شروع ہو گیا ہے، جسے پڑھ کر طبیعت حیران ہے کہ تبصرے کی محدود گنجائش میں کن کن چیزوں کی طرف اشارہ کیا جائے۔ مصنف کی فراہم کردہ معلومات بہت قیمتی ہیں۔ ان کے ذرائع معلومات بھی بہت وسیع ہیں۔ ان کی بے باکی اور جرأت ضرب المثل ہے۔ ابراہیم عبدالہادی اور اس کی مقدیات کے تو (بلا مبالغہ) بخیے ادھیڑ دیے ہیں۔ ساتھ ساتھ عرب لیگ کی بھی بُری طرح خبر لی ہے۔

فلسطین کے المیہ سے مصنف کا متاثر ہونا قدرتی بات ہے۔ خود فلسطین کے رہنے والے ہیں اور

پچیس تیس سال سے گھر بار چھوڑ کر اسی جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ عرب لیگ اور عرب حکومتوں نے فلسطین کو بے وجہ اور سستے داموں فروخت کر دیا، تو بے قابو ہو جاتے ہیں اور عبدالرحمٰن عزام سے لے کر عبداللہ (شرق اردن)، نوری السعید (عراق) اور جانے کس کس کے اسرارِ درونِ پردہ کی نقاب کشائی کرتے ہیں۔ اور تو اور مصنف کے دوست اور ہم وطن، ہمارے محبوب و محترم مفتی امین حسینی بھی ان کے حملوں سے نہیں بچ سکے ہیں۔ فلسطین کے سلسلے میں سعودی حکومت کے وزیر یوسف یاسین کی بھی بڑی خبر لی ہے[1]۔ یوسف یاسین اور لحاظ سے کیسے ہی خراب آدمی ہوں، مگر فلسطین کے سلسلے میں ان پر الزام عائد کرنا زیادتی ہے۔ ابن سعود حالات سے بے خبر نہیں۔ وہ اگر فلسطین کی مدد کرنا چاہتے تو بیچارے یوسف یاسین کی کیا مجال تھی کہ دخل اندازی کی جرأت کر سکتے۔ عراق اور نوری سعید کے نامۂ اعمال کے ساتھ ساتھ عراقی فوج کی شرافت کا بھی ایک نمونہ قابلِ دید ہے۔ نوری سعید کو تو مصنف بلادِ عرب میں برطانیہ کے جنرل ہائی کمشنر (المندوب السامی البریطانی العام فی بلاد العرب) کے "شاندار" لقب سے یاد کرتے ہیں۔ فلسطین کی تباہی اور عربوں کی بربادی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں، جب نوری سعید نے دیکھا کہ شام اور مصر کی فوجیں اسرائیل کے مقابلے سے نہیں ہٹتیں، تو شام کو عقب سے حملہ کی دھمکی دی اور عراق کی پوری فوج فلسطین سے واپس بلوالی، حالانکہ اس سے پہلے ہی وہ جہاد سے کنارہ کشی اور مصری فوج سے عدم تعاون کے احکام صادر کر چکا تھا (ص ۸۰۔۸۱ ملخص)۔ اس کے بعد فوج کی شرافت کا ذکر ہے۔

"اللہ عراقی فوج کے سپاہیوں اور افسروں کو زندہ رکھے۔ بیچارے فلسطین سے واپس پر روتے تھے۔ اُن لشکریوں اور افسروں کی غیرت کی بھی داد دیجیے، جنہوں نے بغداد پہنچنے پر

[1] یوسف یاسین، علامہ سید رشید رضا مرحوم کے شاگرد اور ان کے بنائے ہوئے۔ آج کل سلطان ابن سعود کے مقربین خاص میں ہیں۔ الظاہر کو ان سے سید رشید مرحوم کی اولاد کے باب میں سخت شکایت ہے۔ عرصہ تک انہوں نے سلطان کو سید رشید مرحوم کے خاندان کی مالی حالت کا پتہ ہی نہیں لگنے دیا۔ مدد تو کیا کرتے، اور رکاوٹیں ڈالیں۔ آخر امیر شکیب ارسلان مرحوم کے ایک خط سے سلطان ابن سعود کو سید رشید کے گھر کا حال معلوم ہوا۔ خود سید رشید کے صاحبزادے معتصم رضا نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ اس لیے وہ یوسف یاسین کی اس احسان فراموشی (ان کی زبان میں) کو معاف کرنے کے لیے تیار نہیں۔ (ذکری الامیر شکیب، ص ۲۵۵۔۶)

نوری سعید کے تمغے اور انعامات قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ وہ بولے: ہم لڑے، نہ ہم نے کوئی کام کیا۔ یہ تمغے اور انعام کس چیز کے صلے میں ہیں؟"

اس سلسلے میں نوری سعید کے کارنامے سے متعلق دو فقرے اور سن لیجیے:۔

"غیر ملکی مبصرین (جو التوائے جنگ کے حدود کی نگہداشت کے لیے آئے ہوئے تھے) نے عراقی فوج کی واپسی کا نظارہ کیا، تو انہیں فوج کی تعداد اور ساز و سامان دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی وہ کہتے تھے، یہ لوگ یہاں کیا کرتے رہے۔ فلسطین کو یہود کے لیے خالی چھوڑ کر کیوں جا رہے ہیں؟

——— اس کا جواب میں عرض کرتا ہوں۔ عراقی فوج فلسطینیوں سے اسلحہ چھین کر، انہیں اسلحہ سمیت اردن کی اینگلو ہاشمی حکومت کے سپرد کر گئی تھی، جس نے فوراً ہی انہیں یہود کے حوالہ کر دیا" ص۸۲

فلسطین کے سلسلے میں مصنف نے جو کچھ معلومات فراہم کی ہیں، انہیں پڑھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے گیلانی صاحب نے بھی ان چیزوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔ بغداد میں بھی ہر طرف یہی چرچا تھا۔ اب تفصیلات معلوم ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر کوئی مصیبت بے وجہ نازل نہیں کرتا۔

اخوان پر مظالم کی جو لمبی اور لرزہ خیز روداد مصنف نے قلم بند کی ہے، انہیں پڑھ کر عقل انگشت بدنداں ہے۔ ایک مسلمان نام رکھنے والی حکومت، اسلام کا نام لینے والوں کے ساتھ ایسا شرمناک برتاؤ بھی کر سکتی ہے؟ اس پر بار بار حیرت ہوتی ہے۔ جیل اور قید کا ذکر نہیں۔ زد و کوب، معمولی معمولی بات پر، پولیس کے ڈنڈوں سے ——— کالج کے طلبہ، ادیبوں، عالموں، وکیلوں اور اخبار نویسوں کے ساتھ یہ برتاؤ ہوا۔ اور بیچارے صبر و شکر کے ساتھ جھیل گئے۔ اللہ انہیں جزائے خیر دے۔ ہمارے تو سن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

مولوی محمد جعفر تھانیسری اور ان کے رفقاء کے ساتھ زد و کوب کے واقعات کا تذکرہ جب بھی نظر سے گذرتا تھا تن بدن میں اک آگ سی لگ جاتی تھی۔ اب یہی کیفیت عبدالحکیم عابدین اور البہی الخولی جیسے نازک خیال ادیب اور صاحب فکر عالم کے ساتھ اس ناروا برتاؤ کا حال پڑھ کر طاری ہونے لگتی ہے۔ عبدالحکیم عابدین، اخوان کے جنرل سیکرٹری، حسن البنا مرحوم کے بہنوئی، اور ایک اچھے انشا پرداز و شاعر ہیں۔ ۱۳ جولائی کو (جب مصنف

جیل میں موجود تھے) انہیں ایک نوٹس ملا جس کا مفہوم یہ تھا کہ "ان کی رہائی کا کوئی سوال نہیں" جیلر نے انہیں بلا کر کہا کہ اس پر "علمہ" (اطلاع مل گئی) لکھ دو۔ عبدالحکیم نے ادبی اور معنی خیز انداز میں "علمہ" کے بجائے "وما یشاؤن الا ان یشاء اللہ" لکھ دیا بس پھر کیا تھا، اس "تمرد" کی سزا کا حکم صادر ہو گیا، جو ظالموں کو اللہ کی دھمکی دیتا ہے۔ اور بے چارے پر ڈنڈوں اور ہاتھوں سے اتنی بارش ہوئی کہ قریب المرگ ہو گئے (ص ۰۰ ۔ ۰۰)

البہی الخولی (جن کی کتاب تذکرۃ الدعاۃ پر اسی سلسلے میں تبصرہ کیا جا رہا ہے اور جن کے مضامین، قصص القرآن پر "المسلمون" میں مسلسل نکل رہے ہیں) کی روداد الم تو ایسی ہے کہ یہ گنہگار اپنی سنگ دلی اور الٹی سیدھی تاریخ نگاری کی مشق کے باوجود بیان کرنے سے قاصر ہے، جب پڑھتا ہوں اور لکھنے کا ارادہ کرتا ہوں، تو دل بے قابو ہو جاتا ہے اور دست و قلم کی تھرتھراہٹ دیکھ کر آنکھیں ہمدردی پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔ اللہ اللہ!! ایک قرآن کا عالم "تذکرۃ الدعاۃ" کا مصنف، اس پر گھنٹوں ننگا کر کے (آخر میں ایک مختصر سا جانگیہ چھوڑ دیا گیا تھا) ڈنڈوں نہیں بلکہ لوہے کی موٹی سلاخوں کی بارش ہو۔ اور پھر وزیر اعظم ابراہیم عبدالہادی آ کر تماشہ دیکھیں (ص ۳۵۳) اس سے زیادہ شرمناک واقعہ سننے میں نہیں آیا۔ جرم، پوچھئے، تو کچھ بھی نہیں، صالح عشماوی، ابراہیم عبدالہادی کے عہد حکومت کو عہد براہمہ کہتے ہیں۔ یہ اس کی بڑی عزت افزائی ہے۔ یہ پوری روداد خود البہی الخولی کے قلم سے "صوت الامۃ" میں شائع ہوئی تھی مصنف نے اس کا خلاصہ دیا ہے، جو پورے چار صفحے پر پھیلا ہوا ہے۔ اس زد و کوب کے دوران میں وہ بار بار بے ہوش ہوئے اور سارا جسم خون سے لت پت تھا (ص ۳۸۲ ۔ ۳۸۳)۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی زندگی منظور تھی، ورنہ ظالموں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ سچ کہا: "وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ" —— یہ دو واقعے نمونہ کے طور پر راقم نے بیان کئے ہیں، ورنہ بعض نوجوان کارکنوں کے گھر کی مستورات کے ساتھ بھی بے عنوانیاں کی گئیں (ص ۲۹۶) ۔ یہ سب کچھ ایک مسلمان بادشاہ کی مسلمان وزارت کی مسلمان پولیس کے ہاتھوں ہوا، فالی اللہ المشتکی۔

تبصرہ بہت طویل ہو گیا۔ اور قابل ذکر چیزیں بہت سی رہ گئیں۔ نگاہ انتخاب بھی حیران رہ گئی کیا بیان کرے، کیا چھوڑے؟ بہر حال محمد علی الطاہر کے جہاد مسلسل کی یہ بھی ایک کڑی ہے اور اس پر تحقیق مبارکباد کے مستحق

(۵) دلیل مورخ المغرب الاقصیٰ (مغرب اقصیٰ کے مورخ کا راہ نما) مولف: عبدالسلام بن سودہ